

بسم اللہ تعالیٰ

سید میراں جی عابد خوند میری صاحب مہدوی کی تفسیر

نورِ ایمان

کا

تفقیدی جائزہ بنام

مہدوی بیانِ قرآن

از قلم

مولانا محمد عبد القوی

ناظم ادارہ اشرف العلوم و نائب ناظم مجلس علمیہ آندھرا پرادیش

ناشر

ناشر: اشرف العلوم
حیدرآباد

تفصیلاتِ طباعت

- ♦ نام کتاب : مہدوی بیان قرآن
- ♦ مصنف : مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ
- ♦ صفحات : ۴۰
- ♦ قیمت : Rs. 20/-
- ♦ کمپوزنگ : سید خواجہ نصیر الدین قاسمی 9866619359
- ♦ ناشر : ادارہ اشرف العلوم، خواجہ باغ کالونی، سعید آباد، حیدر آباد
- ♦ طباعت : دار الفکر، پتہ نمبر ۱۵، حیدر آباد، 9346338145

ملنے کے پتے

- ♦ مکتبہ فیض ابرار نزد مسجد اکبری اکبر باغ، حیدر آباد۔ ۳۶ 040-65709415
- ♦ ادارہ اشرف العلوم خواجہ باغ، سعید آباد، حیدر آباد۔ ۵۹ 040-24070681
- ♦ مدرسہ خیر المدارس چودھری نگر، لاہور، مہاراشٹر 09421956690

حرفے چند!

گذشتہ سال ۶ تا ۸ فروری ۲۰۱۱ء حیدرآباد میں ”المعهد العالي الاسلامی“ کے تحت ایک عظیم الشان اور بین الاقوامی نوعیت کا ”قرآن مجید سمینار“ منعقد ہوا تھا، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ کی خواہش پر اس عاجز نے اس سمینار میں مہدوی قوم کی شائع کردہ تفسیر ”نور ایمان“ کا سرسری جائزہ پیش کیا تھا۔ جو تفسیر کے صرف ۱۵۰ صفحات پر مشتمل تھا، میرا یہ جائزہ معہد نے سمینار کے موقع پر شائع کیا، چند دن بعد ایک مہدوی دوست کے ذریعہ اس جائزہ پر تبصرہ نظر نواز ہوا، عنوان تو اس کا قرآن مجید سمینار کے حوالہ سے میرا مضمون ہی تھا لیکن مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ اس عنوان کے تحت ہمارے جائزہ کا جائزہ تو نہیں لیا گیا البتہ کسی اور ناقد مفتی ابن المفتی جناب باقر صاحب مہدوی کی جانب سے تفسیر نور ایمان پر کی گئی تنقیدوں کا جواب دیا گیا تھا، سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے لئے عنوان دوسرا کیوں اختیار کیا گیا۔ ممکن ہے کہ مفتی صاحب موصوف چونکہ قوم ہی کے عالم تھے تو براہ راست ان کی تردید مناسب نہ سمجھی گئی ہو۔ البتہ یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ میں نے اپنے مقالے میں چوں کہ ہر بات نور ایمان کے حوالہ سے لکھی تھی، درمیان میں تبصرہ نہیں کیا تھا تو موصوف نے اسے مقالہ نگار کے اعترافات کے طور پر پیش کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور مقالہ کے آخر میں جو تبصرہ کیا گیا تھا اس کا کہیں ذکر کیا نہ جواب دیا۔ یہ خلط بحث اس جماعت کا فتدیری معمول اور قومی امتیاز ہے۔

اس لئے میں نے اس رسالے میں نور ایمان کی تفسیروں پر وارد ہونے والے

اشکالات کو ہر اقتباس کے بعد درج کر دیا ہے، تاکہ غور کرنے میں مدد مل سکے۔ نیز اس مقالے کے بعد ان اٹھارہ آیات کا علماء امت کی معتبر تفاسیر سے موازنہ و مفتابہ بھی درج کر دیا ہے جس کے معانی — ان لوگوں کے بقول — بطور خاص ”میراں صاحب کے قلب پر بحکم خدا وارد ہوئے تھے“، جبکہ امت میں ان سے پہلے کسی کو اس کا علم نہ تھا۔ پھر چوں کہ الحاج اشرف خوند میری صاحب نے مفتی باقر صاحب کی تنقیدوں کے جواب میں امام قرطبی، امام طبری، امام بیضاوی اور ابن کثیر رحمہم اللہ کے حوالہ جات ان تفاسیر کے معتبر ہونے کی حیثیت سے پیش کئے ہیں، اس لئے ہم نے بھی انہی تفاسیر سے ہر دہ آیات کا تقابل کیا ہے۔

واضح رہے کہ ان آیات کی جناب عبدالغفور سجاوندی صاحب نے جو تفسیر بیان کی ہے مصنف ”نور ایمان“ بھی اسی سے متفق ہیں، چنانچہ ہم نے اُس کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ پاک تمام مسلمانوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت اور اس پر ثبات کی توفیق نصیب فرمائے اور ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین۔

مُحَمَّدٌ عَبْدُ الْقَوِيِّ

فرقہ مہدویہ کی ”تفسیر نو رِ ایمان“ کا سرسری جائزہ

مذہب کا تعارف:

ہندوستان کے فرقہ باطلہ میں ایک فرقہ مہدویہ بھی ہے، جو ہندوستانی تاریخ کی ایک عظیم علمی و روحانی شخصیت ”سید محمد جو پوری“ کی جانب منسوب ہے، جنہوں نے اپنے علم و عمل کی قوت اور زہد و فقر کی تاثیر کے ذریعہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو متاثر کرنے کے بعد کسی کشف یا واردہ قلبی سے دھوکہ کھا کر یا جذب و سکر کی کیفیت میں کھو کر اپنے ”مہدی موعود“ ہونے کا دعویٰ کر دیا تھا، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تو بالآخر اس غلط فہمی سے رجوع کر لیا مگر ان کے اصحاب و متعلقین نے اسی پر اصرار کیا اور رجوع کو تسلیم نہیں کیا، چنانچہ یہ فرقہ ایک مستقل مذہب کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ فرقہ صوبہ بھارت پر دیش، کرناٹک، مہاراشٹر، تمل ناڈو، گجرات اور پاکستان کے مختلف شہروں کے علاوہ امریکہ اور کینیڈا وغیرہ میں موجود ہے۔ کہیں مہدوی، کہیں مومن برادری، اور کہیں دائرہ والوں کے نام سے معروف ہیں، ان کا بڑا طبقہ عصری علوم کے اعتبار سے تعلیم یافتہ اور مہذب ہے، اور اب ایک اچھا خاصا طبقہ اپنے معتقدات میں عدم تشدد سے کام لینے کو ترجیح دے رہا ہے، ان میں سے بعض علم و فہم کی روشنی میں رجوع الی الحق بھی کرتے جا رہے ہیں۔

مفسر کا تعارف:

اس تفسیر کے مصنف سید میراں جی عابد خوند میری ابن سید اشرف تشریف الہی اسی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، ابتدائی تعلیم اپنے وطن چن پٹن میں حاصل کی۔ ۱۹۷۹ء میں جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے ”مولوی کامل“ کا نصاب پورا کر کے اس میں امتیازی درجہ سے کامیابی حاصل کی، افتاء بھی کیا، عالم اور مفتی ہونے کی وجہ سے فارغ ہونے کے بعد ”مجلس علماء مہدویہ“ نے انہیں اپنا رکن نامزد کیا، پھر صدر مفتی کے عہدہ پر فائز ہوئے، دوڑھائی سال ”دائرة المعارف العثمانیہ“ میں صحیح کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دیں، موصوف اپنے عقیدہ کے مطابق میراں سید محمد جو نیوری کے مامور من اللہ، مبعوث لبیان القرآن، معصوم عن الخطا اور ملحق بالانبیاء ہونے کے قائل اور اس پر قائم ہیں، اب بھی بقید حیات اور اس مذہب کے مضبوط دافع اور داعی ہیں۔ (ماخوذ از تفسیر نور ایمان، ص: ب)

قرآن اور معانی قرآن:

قرآن کریم سے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ”قرآن کریم کا نزول تو سید محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا تھا لیکن اس کے معانی کا صحیح ادراک یا اس کے بیان کی ذمہ داری سید محمد مہدی کے ذمہ ہے“ استدلال اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ اور ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس طرح ”جمع قرآن“ نبی کے بعد حضرات شیخین اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ذریعہ ہوا، اسی طرح معانی قرآن کا اظہار بھی ایک ہزار سال بعد سید محمد جو نیوری کے ذریعہ ہوا، اور لفظ ثُمَّ چونکہ تراخی کا فائدہ دیتا ہے اس لیے بیان قرآن اور نزول قرآن کے درمیان نمایاں فصل ضروری تھا، اسی لیے اتنی تاخیر مقدر ہوئی۔ (ایضاً ص: د)

مصادر تفسیر:

مصادر تفسیر کے سلسلہ میں اس گروہ کے معتقدات میں یہ ہے کہ تفسیر مراد الہی کی وضاحت و صراحت کا نام ہے، اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ نے براہ راست بلا واسطہ

اپنے کلام کی مراد سے واقف کرایا ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی صرف دو ہستیاں ہیں، ایک تو خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جن پر قرآن نازل ہوا، دوسرے خاتم الاولیاء حضرت محمد مہدی موعود علیہ السلام جن کا منصب ہی قرآن کا بیان کرنا تھا، چنانچہ اللہ نے قرآن میں فرمایا:

ثُمَّ إِنِّي عَلَيْنَا بَيَانَهُ اس کی تفسیر حضرت مہدی نے اس طرح فرمائی: ای بدلسان البہدی یعنی مہدی کی زبان سے۔ (ایضاً: د)

ان کے نزدیک مہبط قرآن کی طرح مبین قرآن کا بھی معصوم عن الخطاء ہونا ضروری ہے، اور اس امت میں معصوم صرف دو ہی شخصیتیں ہیں۔ سید عابد صاحب کہتے ہیں:

”حقیقت یہ ہے کہ جس طرح قرآن کو نازل کرنے کے لیے اللہ نے ایک معصوم عن الخطاء ہستی کا انتخاب فرمایا، اسی طرح قرآن کا بیان کرنے کے لیے بھی اللہ نے ایک معصوم عن الخطاء ہستی کا انتخاب فرمایا، اور وہ ہستی ہے حضرت امامنا و سیدنا سید محمد مہدی موعود خلیفۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کی شان میں خود آنحضرت نے یہ گواہی دی: البہدی منی یقفوا اثری ولا یخطئ۔“ (ایضاً: د)

ان کے خیال میں تفسیر کے معتبر مصادر صرف تین ہیں، کتاب اللہ، حدیث رسول اللہ اور فرامین مہدی، ان تین مآخذ کے علاوہ کوئی مآخذ و مصدر معتبر نہیں۔ عابد صاحب کہتے ہیں:

قرآن کی تفسیر کی ایک صورت تو یہ ہے کہ خود قرآن کی بعض آیتیں بعض آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں، تفسیر کی دوسری صورت یہ ہے کہ رسول اللہ اور مہدی سے جو معانی اور مراد و دراول کے صحابہ و مفسرین سے منقول ہو، ان مقدس حضرات کے بیان کردہ نہج، طریق اور اصول سے ہٹ کر جو تفسیر ہوگی وہ تفسیر بالرائے ہوگی۔ (ایضاً: د)

تفاسیر سلف کا مرتبہ:

سلف کی تفاسیر کے بارے میں اس گروہ کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ مطلقاً معتبر نہیں، جب تک کہ مہدی کی تائید و توثیق انہیں حاصل نہ ہو، چنانچہ مذہب کی معتبر کتاب شواہد الولائی میں ہے:

”حضرت شمس ولایت حامل بالامانت نے فرمایا جو کوئی حکم اور جو کوئی بیان تفاسیر یا اور ان کے سوا اور کتابوں میں اس بندے کے بیان کے مخالف واقع ہو وہ صحیح نہیں ہے، اور جو کوئی عمل اور بیان اس بندہ کا ہے خدا کی تعلیم اور مصطفیٰ کے اتباع سے ہے۔“ (شواہد: ص: ۳۸۹)

انکے نزدیک ”بیان قرآن“ ایک مستقل وحی یا واردہ ہے جو بلا کسی واسطہ کے اللہ کی طرف سے سید محمد پر نازل ہوئی یا دل میں الہام کی گئی ہے۔ صاحب شواہد اپنے امام سے نقل کرتے ہیں ”جب پہلی مرتبہ تجلی ذات ہوئی فرمان پہنچا، اے سید محمد! ہم نے تجھ کو اپنی کتاب کا علم دیا اور علم مراد اللہ تجھ کو عطا کیا ہے۔“

یہ اور اس قسم کی منقولات کی وجہ سے ان کے ہاں سلف کی تفاسیر کا مطالعہ غیر ضروری اور میراں صاحب اور ان کے خلفاء کے بیان کو حرف آخر سمجھا گیا۔

”ہم کسی تفسیر کا مطالعہ نہیں کرتے، بیان کے وقت جو آیت بے واسطہ سامنے آتی ہے اور اس آیت کا جو بیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھایا جاتا ہے اللہ کے امر سے اللہ کی مراد بیان کی جاتی ہے۔“ (شواہد، ص: ۲۳۱)

ان حضرات کے خیال میں تفسیر قرآن کے لیے کسی متعلقہ علم کی ضرورت ہے نہ اسلاف پر اعتماد اور ان سے استفادہ کی ضرورت ہے، کیوں کہ مہدی نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی اور فرمایا:

”برائے فہم معانی قرآن نور ایمان بس است یعنی معانی قرآن کی فہم کے لیے ایمان کا نور کافی ہے۔“ (تفسیر نور ایمان، ص: ۵)

اسی وجہ سے انہوں نے اپنی تفسیر کا نام ”نور ایمان“ رکھا ہے۔

اس تفسیر کے اغراض و مقاصد:

سید عابد صاحب نے یہ تفسیر جن اغراض و مقاصد کے تحت تصنیف کی ہے ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ:

”ہماری قومی کتب میں منقول ان آیتوں کی نشاندہی کی جائے جن کو خود مہدی علیہ السلام نے بحکم خدا اپنی مہدیت کے ثبوت میں پیش فرمایا ہے، عام مفسرین نے بعض مقامات پر خاص کو عام اور عام کو خاص کر دیا ہے، حضرت مہدی علیہ السلام مبین قرآن نے اس کے برخلاف لفظ کو خاص فرمایا ہے اور جس لفظ کو عام فرمایا ہے اس کی وضاحت ہو جائے، فرائض ولایت کا ثبوت جن آیات سے ہوتا ہے ان کی نشاندہی کی جائے۔ وغیرہ“ (ماخوذ از تفسیر نور ایمان، ص: ۵)

حاصل یہ کہ متقدمین ائمہ تفسیر کی منقول و ماثور تفاسیر کو جو صدیوں سے علماء اسلام کی

متفق علیہ و معتمد علیہ تفاسیر رہی ہیں سید محمد صاحب اور ان کے خلفاء کی بلا واسطہ عطا شدہ تفاسیر کی روشنی میں جانچ کر تصحیح کی جائے اور بزعم خویش مراد اللہ کو نئے سرے سے متعین کیا جائے۔

اس تفسیر کی خصوصیات:

موصوف خوند میری صاحب نے زیر تبصرہ تفسیر میں درج ذیل امور کا خیال رکھا ہے جو اس کی خصوصیات کہلائی جاسکتی ہیں۔

- ① زبان عام فہم اور آسان ہے جس سے عوام بھی استفادہ کر سکیں۔
- ② ترجمہ تحت الآیات ہے اور ”ف“ کے اشارہ سے حاشیہ پر اس کی تشریح کی گئی ہے۔
- ③ اکثر مقامات پر تو ترجمہ و تفسیر میں عامہ مفسرین کا اتباع کیا ہے؛ لیکن جن آیات کے سلسلہ میں ان کے اکابرین مذہب سے کوئی کلام منقول ہے تو اس کو نقل کر کے اسی کو حق قرار دیا ہے۔
- ④ ان کے امام چونکہ کلام پاک میں ربط مسلسل کے قائل ہیں اور کلام میں استیناف، اعتراض، استثناء، منقطع اور نسخ کو تسلیم نہیں کرتے اس لیے ایسے مقامات پر بزعم خویش ائمہ تفسیر کی اصلاح کرتے رہے ہیں۔ بقول خود
- ⑤ مختلف آیات کے ضمن میں مذہب کے مسلمات و معتقدات کی وضاحتوں کا اہتمام کیا گیا ہے، اگرچہ کہ وہ جمہور امت کے عقائد کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ (ایضاً ص: ج)

چند تفسیری نمونے:

□ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

”نبی کریم ﷺ پر جب قرآن نازل ہوتا تھا تو آپ بھول جانے کے خوف سے جبرئیل کیساتھ جلدی جلدی دھرانے لگتے تھے تو اللہ نے لَا تُخَذِّلْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَتَّعَبَلَ بِهِ سے تُحَذِّرْ اِنَّ عَلَيْنَا بَيِّنَاتٍ تک کی آیات نازل فرمائیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے جمع قرآن اور بیان قرآن خود کرنے کا وعدہ فرمایا، ان میں سے ایک وعدہ کی تکمیل خلافت راشدہ کے

دور میں ہو گئی، ابھی بیان قرآن کا وعدہ پورا نہ ہو سکا تھا کہ ملکیت کا دور شروع ہو گیا، ادھر مشیت الہی بھی یہی تھی کہ یہ کام تاخیر سے ہو، چنانچہ مہدی کے ظہور کے بعد ان کی زبانی اللہ تعالیٰ نے اپنا دوسرا وعدہ پورا فرمایا۔“

گویا قرآن کا بیان اس کے نزول کے ساڑھے آٹھ سو سال کے بعد نازل ہوا، اور اس وقت تک کے مسلمان خدا جانے قرآن کو کیا سمجھتے رہے؟۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

”گویا قرآن اور مہدی ہدایت کے نور ہیں، اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک تم ان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے، کتاب اللہ اور میری عترت۔ کتاب اللہ تو قرآن شریف ہے اور عترت سے مراد وہ کامل فرد عترت ہے جو معصوم عن الخطاء اور آنحضرت ﷺ کی بے خطا پیروی کرتا ہو“

سوائے شیعوں اور مہدویوں کے، امامت کیلئے معصومیت کا اعتقاد کوئی نہیں رکھتا، اہل اسلام کے نزدیک معصومیت صرف انبیاء و ملائکہ کی شان ہے۔

اور خود آنحضرت نے اس کی نشاندہی ان الفاظ میں فرمادی المہدی منی یقفوا اثری ولا یخطی (مہدی مجھ سے ہے وہ میرے نقش قدم پر چلے گا اور کبھی خطا نہ کرے گا) اسی لیے تسبیح میں مہدویہ کہتے ہیں القرآن والمہدی اما منا امانا وصدقنا“۔ (ص: ۱)

تعجب ہے کہ مہدویہ اپنے عقائد کی بنیاد ایسی کمزور روایات اور غیر مستند عبارات کو بناتے ہیں۔ پھر ولا یخطی سے اتباع کامل کی تاکید تو ہو سکتی ہے معصوم ہونا کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟

□ سورہ بقرہ کی پہلی آیت آلہ کے تحت حروف مقطعات کے بارے میں متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں الرحمن کو ملائیں تو الرحمن بتا ہے۔ حالانکہ الرحمن بعد کئی سورتیں ہیں اس کے بعد ۲۴، ۲۵، اور ۲۶ ویں پارہ میں لحم آیا ہے پھر انبیاء میں پارہ میں ن آیا ہے، پھر بھی حضرت ابن عباسؓ نے ان کے مجموعہ کو الرحمن کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ اسی اصول کی روشنی میں الحمد کو صرف ایک آیت کے بعد لفظ ہدی للممتقین

سے ملائیں تو المہدی للمتقین معلوم ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کی ابتدا ہی اس موعود عظیم ہستی سے ہوئی ہے جس کا منصب ہی اللہ سے ڈرنے والوں کو ہدایت دینا ہے۔ نیز یہ بھی نکتہ ہے کہ المہدی اور ذالک الكتاب دونوں متقین کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہیں اور دونوں میں تحقیق کرنے والوں کے لیے کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس آیت کے ذیل میں حضرت ابن عربیؒ فرماتے ہیں: الموعود بآئہ یكون مع المہدی فی آخر الزمان لا یقرأہ کما هو بالحقیقۃ الا هو۔ یعنی وہ کتاب جس کے تعلق سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ آخر زمانے میں مہدی کے ساتھ ہوگی اس کتاب کی تلاوت کا حق حقیقت کے اعتبار سے مہدی کے سوا کوئی اور ادا نہیں کرے گا۔“ (ص: ۲)

بہت دور کی کوڑی اور تکلف بار دپیش کرنے کے بعد ابن عربی کے قول سے جو استدلال کیا ہے کیا وہ قرآن کریم کی تفسیر کہلانے کے قابل ہے؟

□ سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۴ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ابتلاءات اور ان میں کامیابی کے ذکر کے بعد انہیں مقام امامت سے سرفراز کئے جانے کا اعلان ہے، اس اعزاز کو پا کر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ میری ذریت کو بھی اس مقام عالی کا وارث بنادیا جائے، جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہونچے گا۔ موصوف اس پر طویل حاشیہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”رہی بات امام کی دعا کی تو اللہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہونچے گا۔ یعنی تیری ذریت میں جو عادل ہوگا وہ امام ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین تھے اس لیے آپ کے بعد نبوت کی گنجائش ہی نہیں تھی البتہ امامت کا منصب تو اللہ نے حضور ہی کی عزت میں سے ایسی ہستی کو جو آپ کے قدم بہ قدم اتباع کرنے والی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ جس کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دی تھی کہ یقفوا اثری ولا یخطئ میرے نقش قدم پر چلے گا اور کبھی خطا نہیں کرے گا اور جس کے حق میں آپ نے فرمایا تھا کہ یملا الارض قسطاً وعدلاً کہ وہ زمین کو قسط و عدل سے بھر دے گا۔ منصب امامت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ حضرت سید محمد جو پوری بن سید عبد اللہ الخطاب مہدی بلسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ، بیۃ اللہ، امر اللہ۔ مراد اللہ و دفع ہلاکت امت محمدیہ نے فرمایا کہ

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت میں سے جس امام کی دعا کی تھی اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ وہ فقط تیری ہی ذات ہے نہ کہ کوئی اور۔“ (ص: ۲۴)

اس تفسیر کی حقیقت آگے ”ہزردہ آیات“ کے تحت دیکھی جاسکتی ہے۔

□ آیت نمبر ۱۴۱ ”تلك امة قد خلت“ الایۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اللہ کے پاس پوچھ ”کسب خود“ کے بارے میں ہوگی نہ کہ ”کسب غیر“ کے بارے میں، تمہارا یہ زعم کہ ہمارے باپ دادا پیغمبر ہیں، ان کے توسط سے ہم بچ جائیں گے یہ غام خیالی ہے، دین میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹی فاطمہ! عمل کر عمل کر میں تجھ کو خدا کے پاس بچا نہیں سکتا اور حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے دن اللہ یہ نہیں پوچھے گا کہ تم پسر احمد ہو یا پسر محمد، اللہ بندے سے عمل با محبت پوچھے گا۔ (ص: ۲۷)

پھر یہ عمل با محبت کیا ہے؟ دوسری جگہ سورہ نساء کی آیت ”لَيْسَ بِأَمَانَةٍ كُمْ“ کے

تحت اس کی صراحت کی ہے:

”بندہ کی تصدیق کے معنی یہ ہیں بندہ عصر اور مغرب کے درمیان جو قرآن کا بیان کرتا ہے اس پر عمل کرنا، پھر آپ نے دوسرے موقع پر فرمایا تصدیق بندہ عمل ہے، با عمل مقبول ہے اور بے عمل مردود ہے۔“ (ص: ۱۳۴)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ مہدویت میں عمل سے مراد مہدی کے احکام کی تصدیق ہے، مفسر نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عمل کی تاکید والی روایت بھی نقل کی ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ جب مہدوی وجود ہی میں نہیں آئے اور ان پر بیان اتر ابھی نہیں تھا، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کس عمل کی ترغیب دی جا رہی تھی؟۔ ظاہر ہے کہ وہ عمل وہی تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا تھا اور مفسر اس عمل کی بات کر رہے ہیں جو مہدی نے بیان کیا یہ تو روایت سے مغالطہ دینے کی کوشش ہے۔

□ آیت نمبر ۱۴۹ کے تحت مسجد حرام کی تعریف کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”حدیث میں آیا ہے کہ مہدی موعود سے رکن و مقام کے درمیان بیعت کی جائے گی، بحمد اللہ حضرت سید محمد جو پورئی نے اسی مقام پر ۹۰۱ھ میں مہدی موعود ہونے کا دعویٰ فرمایا اور

کئی ایک لوگوں نے آپ سے بیعت کی۔ اس دعویٰ کو آج ۱۴۰۱ھ میں پورے ۵۰۰ سال ہوتے ہیں۔ رسول اللہ کے بعد سوائے امامنا حضرت سید محمد جو پوری کے کسی نے حدیث کی شرط (رکن و مقام کے درمیان دعویٰ کرنا اور ضمناً بیعت لینا) کی تکمیل نہیں کی۔“ (ص: ۳۰)

اس کے بعد ۱۴۰۰ھ میں پیش آئے حادثہ میں عبداللہ القحطانی نامی شخص کے دعوائے مہدیت اور فساد فی الحرم کا ذکر کر کے ارشاد ہوتا ہے:

”اور اس واقعہ کے بعد تو اب مکہ معظمہ میں عموماً اور حرم شریف میں خصوصاً کسی جعلی مہدی کے دعویٰ کا بھی امکان باقی نہ رہا۔“ (ص: ۳۱)

اب بھی ہوتے رہتے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ پہلے بات نبھ جاتی تھی پکڑ کے جیل خانے نہیں بھیجے جاتے تھے، اب جعل نبھ نہیں سکتا۔ لیکن جب مہدی حقیقی کا ظہور ہوگا، اور علماء امت کی تائید و تصدیق انہیں حاصل ہو جائیگی تب وہ پوری عزت امارت اور بد بے کے ساتھ منظر عام پر ہوں گے۔ ان شاء اللہ

□ آیت نمبر ۱۵۱ میں ”وَيُعَلِّبُكُم مَّالَهُمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ“ کے تحت رقمطراز ہیں

”اس سے مراد گذشتہ امتوں کے واقعات، گذشتہ زمانے کے حالات اور آئندہ آنے والے نوازل اور حوادث بھی ہو سکتے ہیں، لیکن کتاب و حکمت کی تعلیم کے بعد ان امور کا بیان کچھ اجنبی اور بے جوڑ سا لگتا ہے، خصوصاً جب کہ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِمْ وہ سب باتیں آ جاتی ہیں۔ کتاب و حکمت بیان کرنے کے بعد یہ کہنا کہ ”وہ تم کو ایسی باتیں سکھاتے ہیں جن کو تم نہیں جانتے تھے“ کچھ خاص باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے، جسکی طرف آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے قرآن دیا گیا اور او تبیت مشلہ معہ اس کے ساتھ اس کا مثل بھی دیا گیا، حضور ان باتوں کو جن کا تعلق اسلام اور ایمان سے تھا علی الاعلان بیان فرمایا۔“

نہیں بیان فرمانے کا ثبوت کتاب و سنت اور اجماع امت سے ہونا چاہیے، محض کسی کے انکار سے نبی کی جانب کتمانِ علم کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟ یہ مہدویہ ہی کا طریق ہے کہ نصوص کے مقابلے میں مکاشفات و اشارات لاتے ہیں جبکہ عقیدہ قطعی نصوص اور اجماعی مفہوم سے بن سکتا ہے اور بس!

البتہ جن کا تعلق ”مرتبہ احسان“ سے تھا ان کو علی سبیل الدعوت بیان نہیں فرمایا، البتہ خاص

خاص لوگوں کو جن میں آپ نے ان کو اٹھانے اور برداشت کرنے اور ہضم کرنے کی صلاحیت دیکھی بیان فرمادیا، جیسے حضرت علیؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ۔“ (ص: ۳۱)

□ آیت نمبر ۲۱۳ میں یہ بتانے کے بعد کہ نبیوں کا سلسلہ لوگوں کو گمراہی سے ہٹا کر ہدایت پر لانے کے واسطے قائم کیا گیا تھا، جس کا اختتام حضرت محمد ﷺ پر ہوا، لکھتے ہیں:

”یہاں تک کہ نبی آخر الزماں تشریف لائے اور آپ پر قرآن شریف نازل کر دیا گیا۔ اس کی حفاظت اللہ نے خود کی۔ اسی لیے وہ تحریف لفظی سے بچا رہا۔ لیکن تحریف معنوی یعنی غلط تاویلات تو اس کے لیے اللہ نے قرآن کے بیان کی ذمہ داری اُن عَلَیْہِ تَبِیْئَاذُہٗ کے ذریعہ خود قبول فرمائی اور بیان قرآن کے اس منصب جلیل پر حضرت امام مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فائز فرمایا۔

افسوس! ایسا ناقص انتظام فرمایا جیسا اس کے بندے بھی کرتے۔ آٹھ سو سال تک تو تحریف معنوی کو کھلی چھوٹ ملی رہی اور آٹھ سو سال کے بعد کسی کو بھیجا کہ تحریف سے میرے کلام کو بچالو۔ اس طرح آٹھ صدیوں کے گمراہوں پر تو اللہ تعالیٰ کی کوئی حجت نہیں رہی۔ یہ عجیب معمہ ہے کہ کلام آج اُترے اور حفاظت بھی شروع ہو جائے اور معانی آٹھ سو سال کے بعد نازل ہوں یا معانی کی حفاظت کرنے والا پیدا ہو۔

جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہم تمہارے پاس تنزیل لاتے ہیں لیکن تاویل اسے آخر زمانے میں فارقلیط (مہدی) لائیں گے۔ (ص: ۴۴)

□ آل عمران کی آیت ۸۱ آیت میثاق کے تحت کہتے ہیں کہ:

”جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے لیے پچھلے اور اگلے نبیوں کی تصدیق کرنا اور معاصر نبیوں کا آپس میں نصرت و تعاون رکھنا ضروری قرار دیا ہے۔ اسی طرح مہدی کی توثیق و تصدیق بھی کسی نہ کسی بنی کے ذریعہ ضروری تھی۔ مہدی اگرچہ نبی نہیں لیکن ملحق بالانبیاء ہیں۔ دلیل شرعی چاہیے.....

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اخیر زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اٹھا کر آسمانوں پر رکھا ہوا ہے، ظہور و مہدی کے بعد ان کا نزول ہوگا، تاکہ وہ مہدی پر ایمان لا کر انکی تصدیق کا فریضہ ادا کریں۔“ (تفصیل ص ۸۲ تا ۸۴ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے)

□ آیت ”وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا“ کے تحت لکھتے ہیں:

”تاریخ کی کتابیں اس کی شاہد ہیں خصوصاً نویں صدی ہجری کا زمانہ انتہاء درجہ پر آشوب رہا، اس قدر کہ اسلام سے فقط نام اور قرآن سے فقط الفاظ باقی رہ گئے تھے اور عمل تو بالکل ناپید ہو گیا تھا، ایسے ہی دور میں جب کہ رسوم، عادات اور بدعات کے سبب دنیا سے دین رخصت ہو گیا تھا اللہ نے حضرت سید محمد جو پوری کو مہدی کی حیثیت سے مبعوث فرمایا کہ دین کو اس کے اصلی خدوخال کے ساتھ برپا کیا جائے اور آنحضرت ﷺ کی سنتوں کو زندہ کیا جائے۔ پس حضرت مہدی موعود ﷺ نے بانگِ دہل مہدی موعود ہونے کا اعلان بحکم خدا فرمایا اور دلیل میں کتاب اللہ اور اتباع محمد رسول اللہ کو پیش فرمایا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ جس نے حضرت مہدی ﷺ کی تصدیق کی اور آپ کے بیان کردہ احکام پر جو کہ حقیقت میں احکام قرآن اور اتباع رسول اللہ سے عبارت ہیں عمل کیا وہی ناجی ہے۔“ (ص: ۸۷)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح پچھلے نبیوں کے بعد دین مٹ جاتا تو دوسرے نبی کو بھیجا جاتا تھا اسی طرح ہمارے نبی کے بعد مہدی کو مبعوث کیا گیا، نعوذ باللہ اگر ایسا ہے تو پھر نبی کی آفاقت و ابدیت بے معنی چیز ہو کر رہ گئی۔ پھر نبی تو اپنے دین کی بلا انقطاع زمانہ تحفظ کی ضمانت دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں ”میری امت کی ایک جماعت ہر زمانے میں حق کی حمایت و حفاظت کیلئے موجود رہے گی اور آپ کہتے ہیں کہ آٹھ سو سال تک کوئی بچانے والا نہ تھا اور اس کے بعد صرف ایک بندہ کھڑا ہوا۔

□ آل عمران آیت نمبر ۱۹۳ ”رَبَّنَا اِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا“ کے تحت لکھتے ہیں:

”یہاں اس پکارنے والے سے مراد حضرت مہدی موعود ﷺ ہیں جو لوگوں کو ایمانِ حقیقی کی دعوت دے رہے تھے۔ آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تو ایمان بالغیب کی دعوت دے دی تھی پھر اس کے بعد جو دعوت دی گئی وہ ایمانِ عیانی کی دعوت ہے اور ظاہر ہے کہ ایمانِ عیانی کی دعوت سوائے حضرت مہدی ﷺ کے کسی اور نے نہیں دی۔“ (ص: ۱۰۳)

جو دعوت کسی نے بھی نہیں دی حتیٰ کہ نبی نے بھی نہیں دی وہ دین کیسے کہلا سکتی ہے؟

□ آیت نمبر ۱۹۵ ”فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ“ کے تحت رقم طراز ہیں:

”حضرت مہدی ﷺ نے اس آیت کا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ چاروں صفتیں (ہجرت، اخراج، ایذا، فی سبیل اللہ اور جہاد کرنا اور شہید ہونا) بندہ کی (سید محمد جو پوری)

ہیں۔ پھر ایک مرتبہ دوران بیان قرآن فرمایا کہ صفت ہا جرو ادا ہو گئی۔ آخر جو امن دیا رھم ادا ہو گئی۔ اوذوا فی سبیلی ادا ہو گئی۔ قاتلوا وقتلوا باقی ہے، انشاء اللہ ادا ہو گئی، آپ نے یہ دعا بھی فرمائی کہ اے خدا جس طرح تینوں صفتوں کا ظہور مجھ سے ہوا ہے چوتھی صفت کا ظہور بھی مجھ سے ہو جائے، تو حکم خداوندی ہوا کہ روز ازل سے ہم نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ خاتمین یعنی خاتم النبی اور خاتم الولی پر کوئی قادر نہ ہو سکے گا، اس لیے چوتھی صفت کے ظہور کے لیے ہم نے سید خوند میر کو پیدا کیا ہے، چوتھی صفت کا ظہور سید خوند میرؒ سے ہوگا، چنانچہ ۱۲ شوال ۹۳۰ھ میں حضرت بندگان میاں سید خوند میر صدیق ولایت سید الشہداءءِ حاصل بار امانت سے قاتلوا کی صفت کا اظہار کھاننیل (گجرات) میں ہوا، جس میں سلطان مظفر کی کثیر التعداد فوج کو بے سرو سامان فقیروں نے شکست فاش دی اور ایک دن کے وقفہ کے بعد ۱۴ شوال المعظم ۹۳۰ھ صدر ان میں آپ مع ساتھیوں کے شہید ہو کر قتلوا کی صفت سے بہرور ہوئے۔ یہ صفت اصالتاً مہدی موعود کی تھی لیکن حکم خداوندی سے بندگان میاں سید خوند میرؒ سے ادا ہوئی اس لیے آپ کو ”بدل مہدی“ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ پہلی تین صفتوں کا ظہور خود حضرت مہدی علیہ السلام کی ذات سے ہی ہوا، یعنی آپ نے ہجرت کی اس طرح کہ جو پنور کو چھوڑا تو پھر پلٹ کر جو پنور کی صورت نہیں دیکھی اور ہجرت بھی ایسی بے مثال کہ دس ہزار سے زیادہ میل کی مسافت راہ خدا میں آپ نے طے کی۔ پھر جا بجا آپ کا اخراج بھی ہوا اور اللہ کے راستے میں اذیتیں بھی آپ نے بہت سہیں۔“ (ص: ۱۰۳)

اس تفسیری من مانی کا ثبوت میرے خیال میں مفسر کے ”نور ایمان“ کا علاوہ کوئی اور چیز نہیں، عہد رسالت سے آٹھویں صدی تک کس مفسر نے یہ تفسیر کی ہے، میرا صاحب بھی امتی ہیں انہوں نے خود اپنی باتوں کو قرآن و سنت پر پرکھنے کا حکم دیا ہے، اسلئے دلیل کسی کا دعا اور اس کے جواب کا دعویٰ بلا دلیل شرعی کیسے معتبر ہو سکتا ہے؟ مہدی تو نبی کا تابع تام ہے وہ کتاب و سنت سے ہٹ کر کثرت نئے دعوے کر ہی نہیں سکتا۔ غور کرنے کی ضرورت ہے یہ سب زیادتیاں ”مریداں می پرانند“ کے قبیل سے تو نہیں!

□ سورہ نساء کی آیت ۵۹ میں ”وَأُولُوا الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ کے تحت اپنے امام کے مفترض الطاعتہ ہونے کا ثبوت اس طرح پیش کرتے ہیں:

”اللہ اور رسول کی اطاعت کے حکم کے بعد صاحب امر کی اطاعت کا حکم دیا جاتا ہے تو یہ بات بڑی نازک قابل غور اور لائق اتباع ہے۔ جب عام امیر کے تعلق سے اس سے استدلال کیا

جاسکتا ہے تو زیادہ توجہ دینی کی بات یہ سامنے آتی ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی اطاعت کے بارے میں کیا طریقہ عمل ہونا چاہیے۔ حضرت مہدی علیہ السلام تو صاحب امر ہیں، امر اللہ ہیں، مامور من اللہ ہیں، خلیفۃ اللہ ہیں، تابع تام محمد رسول اللہ ہیں، قدم بقدم رسول اللہ ہیں۔ خاتم دین ہیں، کیا آپ مفترض الطاعتہ نہیں ہیں؟

مفترض الطاعتہ کا جو شرعی مفہوم ہے اس کا اطلاق نبی کے علاوہ کسی پر نہیں ہو سکتا۔ اصطلاحات شرعیہ میں خلط بحث مہدویہ کا عام مزاج ہے، بلکہ اسی پر مذہب کا مدار ہے۔

خصوصاً جب کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جب ان کے بارے میں سنو تو جاؤ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرو، اگرچہ تم کو برف پر سے ریگتے ہوئے جانا پڑے، اس لیے کہ وہ اللہ کے خلیفہ ہیں اور اس بات کو (یا حدیث کو) اکابر اہل سنت محدثین اور صوفیاء بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اصولی طور پر اس میں کسی ایسے شخص کو جو مستند اور متدین عالم ہے اختلاف نہیں ہے۔ البتہ ایک آدھ مؤرخ یا اصول تفسیر سے ہٹ کر اپنی فہم کے مطابق تفسیر کرنے والے نے اس سلسلے میں کچھ لکھ دیا ہو تو دین میں اس کی کوئی حیثیت ہے اور نہ مقام، چونکہ مہدوی حضرت سید محمد جو پوری کو مہدی موعود علیہ السلام مانتے ہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق آپ ہی صاحب امر ہیں۔ پس آپ کی اطاعت لازم اور فرض قرار پاتی ہے۔“

□ سورۃ المائدہ آیت ”قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ“ کے تحت نبوت ولایت کی بحث چھیڑ کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نور نبوت کی تکمیل و اختتام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا اور نور ولایت کا اختتام سید محمد جو پوری پر ہوا:

”نور سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا من نور اللہ وکل شیء من نوری میں اللہ کے نور سے ہوں اور ہر چیز میرے نور سے ہے۔ اس طرح آپ اللہ کا نور ہیں، آپ کو اللہ نے نہ صرف نبوت سے سرفراز فرمایا بلکہ ختم نبوت کا تاج بھی آپ کے سر پر رکھا اور ہر نبی پہلے ولی ہوتا ہے پھر اس کو نبوت دی جاتی ہے، اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نور نبوت کے ساتھ نور ولایت بھی ملا، نبوت کے خاتم تو حضور ہیں لیکن آپ کی ولایت جو باقی رہ گئی تھی اس کے خاتم حضور مہدی موعود علیہ السلام ہیں جیسا کہ مفاتیح العجاز شرح گلشن راز میں سوال چہارم در تحقیق کیفیت مسافراں کے جواب کے ضمن میں آیا ہے۔“

نبوت را ظهور از آدم آمد کمالش در وجود خاتم آمد
ولایت بود باقی تا سفر کرد چون نقطہ در جہاں دور دگر کرد

یہ چند نمونے ”تفسیر نورِ ایمان“ کے صرف ۱۵۰ صفحات کے مطالعہ کا حاصل ہے، اس میں جو باتیں تفاسیر معتبرہ اور عقائدِ حقہ کے خلاف نظر سے گذریں ان میں سے چند بعینہ سپردِ قریطاس کر دی گئی ہیں، ان باتوں کا معتبر تفاسیر سے تقابل وقت طلب کام تھا، اس لیے اس سے احتراز کیا گیا۔ البتہ اسی تفسیر میں ایک جگہ منقول میراں سید محمد جو نپوری کا قابلِ قدر ملفوظ آخر میں نقل کرتا ہوں جو سب ہی کے لیے قابلِ عمل و لائقِ اتباع ہے:

”حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمادیا تھا کہ میں کوئی نیا مذہب نہیں لایا ہوں، میرا مذہب کتاب اللہ اور اتباع محمد رسول اللہ ہے۔ پس میرے اقوال، افعال اور احوال کو دیکھو اور قرآن و سنت پر پیش کرو۔ مطابق پاؤ تو بندے کی تصدیق کرو اور اگر مخالف پاؤ تو بندے کو قتل کرو۔“

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ میراں صاحب نے ہوش و حواس کے زمانہ میں شریعتِ مطہرہ یعنی کتاب و سنت ہی کو معیارِ حق سمجھا، اسی پر عمل کیا اور اسی کی دعوت دی تھی، لیکن جب ان پر استغراق اور جذب کا غلبہ ہوا تو ایسے دیگر مغلوب الحال صوفیاء کی طرح ان کی زبان نے مافی الضمیر کے ادا کرنے میں لغزش کی اور وہ شطیحات سامنے آئیں جو مخالف کتاب و سنت ہیں، اس لیے ان کے سچے جانثاروں کو چاہیے کہ مذہب کی منقولات کو کتاب و سنت پر جانچیں جو کھری اتریں تسلیم کریں اور جو کھوٹی ہیں تو ان پر بے جا اصرار کرنے اور کھینچ تان کر موافق بنانے کے بجائے اپنے امام کی ہدایت کے مطابق جو بات کتاب و سنت اور اجماع امت کے موافق ہو اس کو اختیار کر لیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم کی راہنمائی اور اس پر ثبات نصیب فرمائے۔ آمین
اب آگے ان اٹھارہ آیات کی تحقیق کی جا رہی ہے جن کے معنی میراں صاحب نے کتاب و سنت سے ہٹ کر بیان کئے ہیں۔

ہژده آیات

یعنی قرآن کریم کی وہ اٹھارہ آیتیں جن کے بارے میں مہدویہ کا خیال ہے کہ ان کے مہدی اور مہدویہ کے حق میں ہونے کی میراں صاحب نے منجانب اللہ خبر دی ہے۔ ان آیات کی نمبر وار پہلے معتبر کتب سے متفق علیہ تفاسیر لکھی گئی ہے پھر میراں صاحب کا دعویٰ پیش کیا گیا ہے۔ دعویٰ پر جو صفحہ نمبر لکھا گیا ہے وہ ”رسالہ ہژده آیات“ مصنفہ عبدالغفور سجاد ندی کا ہے۔

①

وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَتْهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ
قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿۸۴﴾ (سورہ بقرہ: ۱۲۴)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

از روئے امید حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! میری ذریت میں سے بھی امام بنا!! یا پھر اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اپنی ذریت کے متعلق سوال ہے کہ اے پروردگار! میری ذریت کا کیا ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکو یہ جواب ملا کہ تمہاری اولاد میں نیک و بد دونوں طرح کے لوگ ہوں گے، نیکوں کو ہم امام بنائیں گے اور جو لوگ بد ہوں گے وہ امامت کے مستحق نہ ہوں گے اور نہ ہی ہم انہیں امام بنائیں گے۔ (قرطبی: ۲/۸۴)

● امام بیضاویؒ فرماتے ہیں:

اس میں تنبیہ ہے اس پر کہ تمہاری اولاد میں بعض نافرمان و ظالم لوگ بھی ہوں گے تو وہ لوگ امامت نہیں پاسکیں گے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی امانت اور عہد ہے، اور ظالم اس کا اہل نہیں ہے، اس کے مستحق تو ان میں سے نیک لوگ ہوں گے اس میں دلیل ہے کہ انبیا بعثت سے قبل بھی گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اور یہ کہ فاسق امامت کا مستحق نہیں ہوتا۔ (بیضاوی: ۱/۱۰۴)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

اللہ رب العزت نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امتحان کے مراحل سے گزارا، اور وہ ان تمام امتحانات میں پوری طرح کامیاب ہو گئے، تو بطور انعام اللہ تعالیٰ نے ان کو عہدہ امامت عطا فرمایا۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے اپنی ذریت کیلئے دعا کی کہ ”اے پروردگار! میرے بعد میری ذریت میں بھی سلسلہ امامت باقی رکھ! اللہ پاک نے ان کی دعا کو مشروط قبول فرمایا کہ آپ کی ذریت میں جو لوگ ظالم اور گنہگار ہوں گے وہ تو امام نہیں بنائے جائیں گے اور جو نیک اور صالح ہوں گے البتہ وہ بنائے جاسکتے ہیں۔ (ابن کثیر ۱/۱۵۹)

تینوں ائمہ تفسیر کے کلام سے معلوم ہوا کہ ”وَمِنْ ذُرِّيَّتِي“ سے کوئی خاص شخصیت مراد نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اپنی اولاد میں بھی نبوت و امامت کے جاری رکھے جانے کی درخواست ہے، اور اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قاعدہ اور سنت جاریہ کا اظہار فرمایا جا رہا ہے کہ منصب نبوت کے سب اہل نہیں ہیں، جو اہل ہوگا اس کو ضرور عطا کیا جائے گا جو نہیں ہوگا وہ محروم رہے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء انہی کی اولاد میں مبعوث فرمائے۔

اس کے برخلاف مہدویوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ”وَمِنْ ذُرِّيَّتِي“ سے مراد ایک خاص امام یعنی مہدی موعود اور وہ بھی سید محمد جو نبوری صاحب ہی ہیں۔

رسالہ ہژدہ آیات کے مصنف عبدالغفور سجاوندی کہتے ہیں.....

مہدی موعود سے روایت کی گئی ہے آپ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم کیا کہ وہ مسلم امام جس کے اپنی ذریت میں سے ہونے کیلئے ابراہیم نے دعا کی وہ فقط تیری ہی ذات ہے نہ کہ کوئی اور“۔ پس میں کہتا ہوں کہ حق وہی ہے جو امام نے فرمایا کیونکہ الفاظ ایک امام کی تقدیر پر دلالت کرتے ہیں، کیونکہ وہ نکرہ ہے جو کلام مثبت میں واقع ہوا ہے پس وہ غیر متعین پر دلالت کرتا ہے اور اس کا عطف محذوف پر ہے ”تقدیر اس کی یہ ہے اجعلنی اماماً وَمِنْ ذُرِّيَّتِي اِمَامًا“۔ (ہژدہ آیات ص: ۳)

یہی بات تفسیر نور ایمان کے مصنف نے لکھی ہے:

اللہ نے جو فرمایا تھا کہ میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہونچے گا، یعنی امام وہ ہوگا جو عادل ہوگا،

پس وہ وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف امام مہدی موعود علیہ السلام ہی پر صادق آئے گا بلا شرکت غیرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کی امام سے متعلق دعا کا مصداق حضرت مہدی علیہ السلام ہی ہیں۔ (ص: ۲۴)

زبردستی کی ایک تقدیر جو متقدمین میں سے کسی معتبر مفسر نے اختیار نہیں کی بڑھا کر اپنے امام کو اس کا مصداق قرار دے لیا گیا، جس کا بدیہی البطلان ہونا ہر صاحب علم و خبر پر روشن ہے۔

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ط (سورہ آل عمران: ۲۰)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

اگر یہ کفار جھوٹی اور مغالطہ انگیز باتوں کے ذریعہ آپ سے جھگڑا کریں، حجت بازی کریں تو آپ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں لگے رہیں جو کہ ایمان لانا اور تبلیغ کرنا ہے، اور آپ کی نصرت و مدد کرنا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے۔

”مَنِ اتَّبَعَنِي“ میں ”مَنِ“ محل رفع میں ہے اور اس کا عطف ”اسلمت“ کی ”ت“ ضمیر مرفوع متصل پر ہے اور اس کے معنی ہیں میرے متبعین بھی (میری طرح) اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ (قرطبی: ۳۶/۴)

● مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں یہی بات امام بیضاویؒ نے بھی لکھی ہے۔ (بیضاوی: ۱۰/۲)

● امام ابن کثیرؒ اس کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں:

اسلام کی حقانیت پر دلائل قائم ہونے کے بعد بھی یہ لوگ اگر آپ سے توحید کے بارے میں جھگڑیں اور خواہ مخواہ کی جھتیں نکالیں تو آپ جواب میں ان سے فرما دیجئے کہ میں خالص اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو اکیلا معبود ہے، جس کا کوئی شریک و ساجھی نہیں، نہ اسکی اولاد ہے نہ بیوی۔ اور میرے متبعین کا قول بھی یہی ہے، یعنی جو لوگ میرے دین پر ہیں اور وہ وہی کہتے ہیں جو میں کہتا ہوں جیسا کہ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: ”قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي“ کہ میری راہ یہی ہے۔ میں اور میرے پیروکار خوب سوچ سمجھ، دیکھ بھال کرتے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف بلا رہے ہیں۔ (ابن کثیر: ۱/۳۳۵)

اس کے برخلاف مہدویہ کا خیال ہے کہ مَنِ اتَّبَعَنِي سے ان کے امام مراد ہیں:

حضرت مہدیؑ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے حکم کیا کہ یہ من اتبعن کا من خاص ہے اور اس سے مراد صرف تیری ذات ہے کوئی اور نہیں۔
(ہژدہ آیت ص: ۶۱)
یہی تفسیر نور ایمان کے مصنف نے بھی لکھی ہے۔
(دیکھئے ص: ۷۱)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾
(آل عمران: ۱۹۰)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:
لآيَاتِ الْأُولَى الْأَلْبَابِ یعنی جو لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت و قدرت پر دلالت کرنے والی آیات میں غور و فکر کرنے کے لئے اپنی عقلوں کا استعمال کرتے ہیں۔ (قرطبی: ۴/۲۳۸)
● امام بیضاویؒ نے بھی اس کو عام رکھا اور حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص اس آیت کو پڑھے اور دلائل قدرت میں غور و فکر نہ کرے تو وہ محروم ہے۔
(بیضاوی: ۲/۵۴)
اور اس کے عموم کی واضح دلیل سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۶۴ ہے جس میں یہی مضمون بیان کرنے کے بعد لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ فرمایا گیا ہے۔
● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

آسمان و زمین کی پیدائش، لیل و نہار کی گردش میں عقلمند اور پاک نفوس لوگوں کے لئے کافی نشانیاں ہیں جو ہر شئی کی حقیقت پر نظر ڈالنے کے عادی ہیں، اور ان بے وقوفوں کی طرح نہیں ہیں جو اشیاء کی حقیقتوں میں تدبر و فکر نہیں کرتے۔

پھر اللہ تعالیٰ اُولَى الْأَلْبَابِ کے اوصاف بیان فرماتے ہیں: کہ اولو الالباب وہ لوگ ہیں جو اٹھتے، بیٹھتے، جاگتے، سوتے، الغرض ہر حال میں زبان سے دل سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت، علم و حکمت اور اختیار و رحمت پر دلالت کرنے والی حکمتوں پر غور و فکر کرتے ہیں۔
(ابن کثیر: ۱/۴۱۴)

برخلاف اس کے مہدویہ کا کہنا ہے کہ اولو الالباب سے مراد مہدوی قوم ہے:

حضرت مہدیؑ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم کیا کہ ”اولی الالباب“ سے مراد فقط تیری قوم ہے۔ میں کہتا ہوں حق وہی ہے جو امام نے فرمایا کیوں کہ وہ لوگ تمام سے ثابت قدم ہیں۔ (ہژدہ آیات ص: ۸۰) (نور ایمان ص: ۱۰۲)

اب اگر اولو الالباب سے مہدوی مراد ہیں تو قوم یعقلون سے بھی وہی مراد ہوں گے۔ پھر قرآن کریم کس کے لئے ہوگا؟

۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ۖ

(المائدة: ۵۴)

● اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنی زبردست قدرت کی خبر دے رہے ہیں کہ اگر یہ لوگ اس کے دین کی مدد اور اس کی شریعت کو قائم کرنے سے اعراض کریں گے تو اللہ ان لوگوں کو خستم کر دے گا اور ان کی جگہ ایسے لوگوں کو وجود دے گا جو ان سے ہر اعتبار سے بہتر ہوں گے.....

حضرت حسن بصریؒ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ قوم کا مصداق حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں اور صحابہ کرامؓ ہیں۔ (ابن کثیر: ۲/۶۷)

● امام قرطبیؒ نے حضرت حسن بصریؒ کے قول کے علاوہ اور بھی روایات ذکر کی ہیں مگر کسی روایت میں بھی قوم مہدویہ مراد نہیں لی گئی ہے، اس لئے بعد کے مفسرین نے ہر زمانے میں کفر و ارتداد کا مقابلہ کرنے والے مسلمانوں کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ۶/۱۳۰)

● قاضی بیضاوی کہتے ہیں کہ بقوم سے روایات کی روشنی میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی قوم اہل یمن، یا حضرت سلمان فارسیؓ کی قوم اہل فارس یا مجاہدین قادسیہ مراد ہیں۔

مہدویہ کا اعتقاد کچھ اور ہے وہ کہتے ہیں.....

حضرت مہدیؑ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ اس قوم سے مراد فقط تیری قوم ہے کوئی اور نہیں۔ (ہژدہ آیات ص: ۱۴)

یہی بات صاحب ”نور ایمان“ بھی کہتے ہیں:

پس اسی طرح اور اسی سچ پر فسوف یا فنی اللہ بقومہ پر نظر ڈالتے ہیں تو بھی یہی مفہوم نکلتا ہے کہ یہاں بھی اللہ کے ایک قوم کو لانے سے مراد اللہ کا ایک خلیفہ ایک قوم کے ساتھ آنے والا ہے اور یہ بالکل بدیہی بات ہے۔ (ص: ۱۶۱)

مذکورہ بالا تفاسیر کے مطابق یہ قوم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مرتدین کا مقابلہ کرنے والی قوم تھی، یا پھر ہر وہ قوم ہو سکتی ہے جس نے ماضی میں کبھی فتنہ ارتداد کا جم کر مقابلہ کیا یا آج کر رہی ہے، یا آئندہ ضرورت پر کرے گی، لیکن غور کرنا چاہیے کہ تمام مسلمانوں سے ہٹ کر اور پوری امت سے کٹ کر اپنا علاحدہ دین و عقیدہ بنا لینے والی قوم اس کی مصداق کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ بھی محض کسی کے دعوے کی وجہ سے؟؟

وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَ كُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ۖ (الانعام: ۱۹)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ قرآن مجھ پر اتارا گیا ہے تاکہ اے اہل مکہ میں تمہیں اس قرآن کے ذریعہ اللہ کے عذاب سے ڈراؤں اور ان لوگوں کو بھی جن تک یہ قرآن پہنچے۔ بلغ کے بعد ضمیر مخدوف ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے من بلغ سے مراد وہ جو بالغ ہو گیا ہے، اور اس میں اسکی دلیل بھی ہے کہ نابالغ مخاطب شریعت اور مکلف احکام نہیں ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کتاب و سنت کی تبلیغ نبی کی طرح امت کے حق میں بھی مامور بہ ہے۔ (قرطبی: ۶/۲۴۷)

● قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ومن بلغ ضمیر مخاطبین یعنی لأُنذِرَ کُمْ پر عطف ہے، یعنی تاکہ اے اہل مکہ! میں اس قرآن کے ذریعہ تم کو اور ان تمام کو جن تک یہ قرآن پہنچا خواہ وہ کالے ہوں یا گورے جن ہو یا انسان۔ یا یہ مراد ہے کہ موجودہ مخاطبین اور قیامت تک کے وہ تمام لوگ جن کو قرآن پہنچے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ احکام قرآنی نزول کے وقت موجود لوگوں اور بعد کے تمام لوگوں کے لئے عام ہیں۔ (بیضاوی: ۲/۱۵۷)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وحی یہ قرآن مجھ پر اتارا گیا تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہونچے ان سب کو ڈراؤں۔ محمد ابن کعبؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو قرآن پہونچ گیا وہ ایسا ہو گیا جیسے اس نے حضرت محمد ﷺ کی زیارت کر لی، اور ان سے بات کر لی..... ربیع بن انس کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کے ہر تبع امتی پر لازم ہے کہ وہ آپ کی طرح دوسروں کو دعوت دے اور لوگوں کو اللہ سے ڈرائے۔ (ابن کثیر: ۲/۱۲۰)

ان سب مفسرین کے برخلاف میرا سید محمد جو پوری دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا:

”یہ من خاص ہے اور اس سے فقط تیری ذات مراد ہے کوئی اور نہیں“ (ہر وہ آیات ص: ۱۶)

صاحب نور ایمان بھی یہی تفسیر کرتے ہیں، انہوں نے ومن بلغ کے معطوف علیہ کے سلسلہ میں تمام مفسرین سے ہٹ کر کچھ امکانات بیان کئے ہیں اس کے بعد کہتے ہیں:

دوسری وجہ جو ہم نے اوپر لکھی اس کے لحاظ سے بھی من سے مراد خاص ہی ہے (عام نہیں)
اور وہ مہدی علیہ السلام ہیں اس لئے کہ قرآن کی وراثت یا رسول کی وراثت کامل طور پر انھوں کی روشنی میں اگر کسی کو پہونچی ہے تو وہ صرف حضرت مہدی علیہ السلام ہیں (ص: ۱۷۹)

آگے انہوں نے ابن عربی کا قول نقل کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جب کوئی آدمی تمام ماثور تفاسیر سے ہٹے گا تو ابن عربی کے علاوہ اور کس کا سہارا لے سکے گا۔

فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾ (الانعام: ۸۹)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

اے محمد! (ﷺ) اگر آپ کے زمانہ کے کفار ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں تو ہم مدینہ کے انصار اور مکہ کے مہاجرین کو ان پر مسلط کر دیں گے، جو ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے، یا ہم کفار و قتل پر مسلمان انسان اور جناتوں کو مسلط کر دیں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو عام ہے۔ (قرطبی: ۴/۲۶)

● قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر یہ قریش ان تینوں باتوں — نبوت، کتاب اور حکمت — کا انکار کریں تو ان کی قدردانی کے لئے ہم ایسی قوم کو ان پر مسلط کریں گے جو ان جیسی نہ ہوگی، اور وہ مذکورہ بالا انبیاء اور ان کے تبعین ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ قوم سے مراد انصارِ مدینہ یا جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا جمیع مومنین یا اہل فارس یا ملائکہ ہیں۔ (بیضاوی: ۲/۱۷۱)

● امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر اہل مکہ یا عربوں، عجمیوں، کتابیوں میں سے کوئی بھی آپ کی نبوت اور کتاب و حکمت کا انکار کرے تو ان لوگوں پر ہم ایسی قوم مسلط کریں گے جو ان چیزوں کا انکار نہیں کریں گی، انکار تو کیا ایک حرف بھی رد نہیں کرے گی؛ بلکہ محکم و متشابہ تمام آیات پر ایمان لائے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہمیں بھی ان میں شامل فرمائے۔ یعنی مہاجر و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے قیامت تک کے تبعین۔ (ابن کثیر: ۲/۱۳۷)

● امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا“ سے مراد قرآن کا انکار ہے۔ اور ”هُؤُلَاءِ“ سے مراد کفارِ قریش ہیں۔ ”قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ“ سے مراد انصار ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هُؤُلَاءِ“ میں هُؤُلَاءِ سے مراد اہل مکہ اور اہل مدینہ ہیں۔ (طبری: ۹/۳۸۸)

اس کے برخلاف مہدویہ کو ان کے امام سے یہ روایت پہنچی ہے.....

مہدی موعود علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اس قوم سے مراد فقط تیری قوم ہے کوئی اور نہیں۔ (ہژدہ آیات ص: ۱۷)

مصنف نور ایمان نے یہاں صرف اختلاف اقوال کے نقل پر اکتفا کیا، تعین نہیں کی ہے۔ (دیکھئے ص: ۱۹۰)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَمَنْ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ میں ایک قول یہ ہے کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ اور مہاجرین و انصار (مؤمنین) کافی ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اور مؤمنین کیلئے کافی ہے۔ پہلی صورت میں مَنْ حالت رفع میں ہے، اور لفظ اللہ پر عطف ہے، دوسری صورت میں حالت نصب میں ہے اور ضمیر مخاطب لک پر عطف ہے۔ (قرطبی: ۴/۳۲۰)

● قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی صورتیں بیان کی ہیں اور مَنْ کو عام رکھا ہے خواہ وہ منصوب ہو یا مرفوع یا مجرور۔ (بیضاوی: ۳/۶۶)

● امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرما رہے ہیں کہ کفار و مشرکین کا خوف نہ کریں، ڈٹ کر مقابلہ کریں، کیونکہ آپ کی اور اہل ایمان کی دشمنوں کے مقابلے میں نصرت و تائید کے لئے اللہ کافی ہے، خواہ ان کی تعداد و اسلحہ بہت اور مسلمان معدودے اور ضعیف ہی کیوں نہ ہوں۔ (ابن کثیر: ۲/۳۱۰)

● ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتے ہیں کہ اے نبی! اللہ آپ کے لئے کافی ہے اور جو مؤمنین آپ کی اتباع کریں ان کیلئے بھی کافی ہے دشمن کی کثرت اور تمہاری قلت تم کو پریشان و خوفزدہ نہ کر دے اللہ تعالیٰ اپنی مدد سے تمہاری تائید کرنے والے ہیں۔ (تفسیر طبری: ۱۱/۲۵۹)

مہدویہ نے یہاں بھی مَنْ کی تخصیص بلا تخصیص کر لی ہے:

مہدی موعود علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ یہ

”مَنْ“ خاص ہے، اور اس سے مراد فقط تیری ذات ہے نہ کہ تیرا غیر۔ (ہژدہ آیات ص: ۱۹)

مصنف ”نور ایمان“ نے بھی عبد الغفور سجاوندی کی تشریحات اور ابن عربی کے مکاشفات کے حوالہ سے یہی بات کہی ہے (دیکھئے ص: ۲۵۳) جو ظاہر ہے کہ ان معتبر مفسرین کے مقابلے میں حجت نہیں ہو سکتیں۔

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

حسن بصریؒ اور ابو العالیہ کا قول ہے کہ اس کی آیتیں امر و نہی کے معاملہ میں محکم اور وعدہ وعید اور ثواب و عذاب کے بیان میں مفصل ہیں۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے ان آیات کو باطل کی دراندازی سے محفوظ اور مضبوط کر دیا پھر حلال و حرام کے ذریعہ ان آیات کی تفصیل اور وضاحت فرمادی۔ محبؒ کہتے ہیں کہ بہ حیثیت مجموعی محکم ہے اور ایک ایک آیت کے اعتبار سے دلائل توحید و نبوت و آخرت وغیرہ کے بیان میں مفصل ہے۔ یہ بھی منقول ہے کہ لوح محفوظ میں اکٹھا ہے اور دنیا میں وقفے وقفے سے نازل ہوا ہے۔ (قرطبی: ۹/۴)

● قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں:

یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات محکم ہیں یعنی اس طرح مرتب اور مربوط ہیں کہ الفاظ و معانی میں کسی قسم کا اشتباہ و اختلال واقع نہیں ہو سکتا، یا فساد و نسخ روکنے والی ہیں، کیونکہ اس جگہ آیات سے اسی سورہ کی آیات ہیں جن میں سے کوئی منسوخ نہیں ہوئی، یا مطلب یہ ہے کہ اس کی آیات دلائل و براہین سے مستحکم کی گئی ہیں، پھر اس میں عقائد و احکام اور وقائع و نصوص کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے، یا یہ کہ اس کو سورتوں میں منقسم کر دیا گیا، یا تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا وغیرہ۔ (بیضاوی: ۳/۱۲۷)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

یہ قرآن کی آیتیں لفظاً محکم اور معنیً مفصل ہیں یعنی لفظ و معنی دونوں اعتبار سے کامل و مکمل ہیں اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں، جو اپنے کلام اور احکام میں بڑی حکمت والا اور انجہام و نتائج کا اچھی طرح جاننے والا ہے۔ (ابن کثیر: ۲/۴۱۷)

● امام طبرسیؒ فرماتے ہیں:

حضرت قتادہؒ نے فرمایا ”الرَّكِتَابُ أَحْكَمَتْ أَيْاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ“ کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ نے باطل سے اس کو محفوظ و مضبوط کیا، پھر اس کی تفصیل بیان کی، اور حلال و حرام نیکی و بدی، طاعت و معصیت کو اس میں واضح طور پر بیان کیا۔

(تفسیر طبری: ۱۲/۲۱۰)

مہدویوں نے اس کی عجیب و غریب توضیح کی ہے:

حضرت مہدی موعود علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے اس کو مراد اللہ کے موافق اس طور پر بیان فرمایا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے پھر تفصیل سے بیان کی جائیں گی اس کی آیتیں مہدی موعود علیہ السلام کی زبان سے حکیم و خیر کی طرف سے یعنی اس کتاب کی آیتیں من عند اللہ بحکم ازل ثابت ہیں یعنی نزول قرآن کی مضبوطی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور بیان قرآن کی مضبوطی مہدی موعود علیہ السلام سے ثابت ہے۔ (ہر وہ آیات ص: ۲۱)

مصنف نور ایمان بھی یہی کہتے ہیں کہ:

آیتوں کا استحکام تو باعتبار نزول کے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہو چکا، پھر اس کی تفصیل کا انتظام بھی چونکہ اللہ کے ذمے تھا اس لئے اللہ نے اس کے لئے بھی ایک بعثت کا انتظام فرمایا جس کے ذریعہ ان آیتوں کی تفصیل بیان ہونے والی ہے اور وہ ہستی حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے سوا اور کون ہے؟ (ص: ۳۰۴)

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ
كِتَابٌ مُّؤْتَىٰ

(ہود: ۱۷)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ایسا شخص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنے پروردگار کی طرف سے بینہ پر ہوا اور اسے نمایاں فضیلت حاصل ہو، اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو دنیوی زیب و زینت کا خواہاں ہو۔ ابن زید کہتے ہیں کہ علی بینۃ سے وہ شخص مراد ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے۔ ویتلوہ شاہد سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ امام قرطبی نے بینۃ اور شاہد کے سلسلہ میں مفسرین کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں مگر مَن کی تخصیص کسی کے ساتھ نہیں کی، وہ عام ہی ہے، یا پھر اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود مراد لئے گئے ہیں۔ (قرطبی: ۱۳/۹)

● قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ.....

آیت میں مَن کا مصداق ہر مخلص مومن ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا پھر اہل کتاب ہیں۔

(بیضاوی: ۱۳۱/۳)

● امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کیا منکر قرآن ایسے شخص کی برابری کر سکتا ہے جو اپنے رب کی طرف سے آئی ہوئی بینۃ

یعنی قرآن پر قائم ہے، اور اس کا ایک گواہ اس سے قبل موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات بھی ہے۔
آیت میں بینۃ سے مراد قرآن ہے، اور شاہد سے مراد اعجازِ قرآنی ہے، اور معنی یہ
ہو گئے کہ وہ لوگ جو قرآن پر قائم ہیں اور ان کے پاس قرآن کی حقانیت کا ایک گواہ تو اعجازِ قرآنی
ہے اور دوسرا گواہ بصورتِ تورات پہلے آچکا ہے، جو موسیٰ علیہ السلام لوگوں کے لئے قابلِ اقتداء اور رحمت
حق کی حیثیت سے لائے تھے۔
(ابن کثیر: ۲/۴۲۱)

● امام طبرسیؒ فرماتے ہیں:

اللہ نے اپنے قول اَفْمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ میں یہ بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اپنے رب کی جانب سے دلیل پر تھے اور وَيَتْلُو شَاهِدًا مِّنْهُ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی
مراد ہیں۔
(تفسیر طبری: ۱۲/۳۵۲)

اس کے برخلاف سید محمد جوینوری کہتے ہیں.....

اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ یہ ”ہَقْنٌ“ خاص ہے، اور اس سے مراد فقط تیری ذات
ہے کوئی اور نہیں۔

عبد الغفور سبحانندی کہتے ہیں کہ لفظ ”ہَقْنٌ“ عمومیت کا احتمال رکھتا ہے اور خصوصیت باقتضاء
قرینہ ثابت ہوتی ہے۔ اس طرح کہ مہدی موعود کے سوا کوئی ”ہَقْنٌ“ کا مصداق ہونے کے
لائق نہیں۔ اگر اس کا اطلاق افرادِ مؤمنین میں سے فرد عام پر کیا جائے تو آیت نفسِ معنی کے
لحاظ سے درست نہیں۔ اور اگر اس کا اطلاق افرادِ اولیاء میں سے کسی فرد خاص پر کیا جائے تو
معنی آیت کے موافق ہوتا ہے اور اولیاء میں خاص مہدی موعود ہی ہیں۔ (چترہ آیات ص: ۲۲)

مصنف نور ایمان نے اپنی تفسیر میں میرا صاحب کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں
نے حق تعالیٰ سے بلا واسطہ سُن کر بیان کیا کہ:

اَفْمَنْ كَانَ میں جو مَن مذکور ہے اس سے مراد تیری ذات ہے اور بینۃ سے مراد
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت کی اتباع ہے قولاً وفعلاً و حالاً۔ اور ولایتِ محمدیہ سے مراد
وہی خاص ولایت ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مخصوص ہے اور شاہد سے
مراد قرآن ہے..... حضرت مہدی علیہ السلام کے اس بیان کے بعد اب ہمیں
دیگر تفسیروں میں جو مصداق الفاظِ مذکورہ بالا بیان کئے گئے ہیں ان پر توجہ دینے کی چنداں
ضرورت ہی نہیں رہتی.....
(ص: ۳۰۹)

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ (يوسف: ۱۰۸)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

هَذِهِ سَبِيلِي مبتدا خبر ہے، مطلب یہ ہے کہ اے محمد! آپ کہہ دیجئے کہ میں جس چیز کی طرف دعوت دے رہا ہوں یہی میرا طریقہ اور منہج و مسلک ہے یہی راستہ جنت تک پہنچاتا ہے، بصیرۃ یعنی پورے وثوق و حق کی بات ہے، انا ومن اتبعنی میں اور ہر وہ شخص جو میرا تبع ہے، اس میں انا تاکید کے واسطے ہے۔ (قرطبی: ۹/۱۹۳)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

اللہ رب العزت اپنے نبی ﷺ — جو جن وانس کے رسول ہیں — سے فرماتے ہیں کہ اے نبی! جن وانس سے کہہ دیجئے کہ میرا تو یہی طریقہ اور مسلک ہے کہ لوگوں کو بصیرت اور یقین کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں بھی اور وہ لوگ بھی جو میری اتباع کرنے والے ہیں، اور میری اور میرے تبعین کی یہ دعوت کسی سرسری نظر پر مبنی نہیں بلکہ پوری بصیرت اور عقلی و شرعی دلائل کی روشنی میں ہے۔ (ابن کثیر: ۳/۴۷۷)

● امام طبریؒ فرماتے ہیں:

ابن زید نے اللہ تعالیٰ کے قول ”قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي“ کے بارے میں فرمایا کہ ”هَذِهِ سَبِيلِي“ سے مراد ہذا امری و سنتی و منہاجی (یعنی میرا حکم، میرا طریقہ اور میرا راستہ ہے) میں اور میرے تبعین اللہ کی طرف سے پوری بصیرت کیساتھ اس کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ کے پیروکاروں پر لازم ہے کہ وہ وہی دعوت دیں جو نبی نے دی اور لوگوں کو قرآن و سنت کے ذریعہ نصیحت کریں اور اللہ کی نافرمانیوں سے روکیں۔ (تفسیر طبری: ۱۳/۳۷۹)

لیکن مہدوی اپنے امام کی اتباع میں کچھ اور ہی کہتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ ”من اتبعنی“ کا من خاص ہے اور اس مراد فقط تیری ذات ہے اس میں غیر شریک نہیں۔

عبدالغفور سجاد ہندی کہتے ہیں کہ ”من“ کے خاص ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ ”من“ کا عطف اس پوشیدہ ضمیر پر ہے، جو ”ادعو“ میں ہے اور یہ عطف اس بات کو چاہتا ہے کہ تابع اور متبوع کی دعوت ایک ہی مرتبہ میں ہو ورنہ دونوں دعوتوں میں تفرقہ لازم آئے گا۔ اور جملہ کے عطف میں مناسبت کا ہونا ایک ایسا امر فرعی ہے جو وصل کے بہترین مقامات میں سے سمجھا جاتا ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ نبی پر دعوت فرض تھی، تو آپ کے تابع پر بھی فرض ہونا چاہیے اور وہ تابع مہدی موعود کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مہدی کی بعثت اسی کام کے لئے ہے۔ (چترہ آیات ص: ۲۶)

مصنف ”نور ایمان“ کہتے ہیں:

تیسری بات جو قابل غور ہے: وہ یہ کہ ”ومن اتبعنی“ سے کون مراد ہے، عام مفسرین یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو آنحضرت ﷺ کی اتباع کرتا ہے، گویا اس آیت میں جو من ہے وہ عام ہے، حضرت مہدی علیہ السلام نے جب اس آیت شریفہ کا بیان فرمایا تو یہ فرمایا کہ یہ من خاص ہے اور اس سے بندہ کی ذات مراد ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا (ترجمہ از فارسی) فرمان ہوتا ہے کہ اس تابع سے تیری ذات مراد ہے، اظہار کر دے ورنہ تو گنہگار ہوگا۔ (ص: ۳۴۲)

۱۱

ثُمَّ أَوْزَنَّا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ؕ (فاطر: ۳۲)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

ثُمَّ أَوْزَنَّا الْكِتَابَ یعنی اعطینا ہم نے عطا کیا الکتاب سے یہاں اس کے علوم و احکام مراد ہیں، اللہ پاک نے جب امت محمد ﷺ کو قرآن کریم کی نعمت عطا کی تو گویا اس نے ہم سے قبل کی امتوں کو دی گئی کتاب کا وارث بنا دیا، اصطفینا کے معنی گندگیوں سے پاک کرنا ہے۔ من عبادنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد امت محمد ﷺ ہیں، اگرچہ کہ لفظ کا عموم تمام امتوں کے مومنین کے لئے عام ہو سکتا ہے مگر کتاب کا وارث بنایا جانا عام نہیں ہے صرف امت محمدیہ کے ساتھ خاص ہے۔ (قرطبی: ۱۳ / ۳۵۳)

● قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں:

ثُمَّ أَوْزَنَّا الْكِتَابَ یعنی ہم نے قرآن کو آپ کی وراثت بنانے کا فیصلہ کر دیا، یا کتاب کو پچھلی امتوں سے اس امت میں منتقل کیا۔ الذین اصطفینا یعنی اس امت کے علماء خواہ صحابہؓ میں سے ہوں یا بعد والوں میں سے۔ یا پوری امت مسلمہ بھی مراد ہو سکتی ہے اس لئے کہ

اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے اور چُن لیا ہے۔ (بیضاوی: ۴/۲۵۹)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محمد! یہ کتاب اولاً ہم نے آپ پر نازل کی پھر ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے تمام بندوں میں سے باعتبار ایمان کے پسند فرمایا یعنی مسلمانوں کے ہاتھوں میں یہ قرآن پہنچایا۔ (ابن کثیر: ۳/۵۳۳)

ابن کثیر نے متعدد روایات اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمائی ہیں، لیکن انہوں نے یا کسی بھی مفسر نے الذین اصطفینا من عبادنا سے مہدوی قوم کو مراد لیا نہ کسی اور مخصوص طبقے کی تعیین کی۔

اس کے برخلاف سید محمد جوہر پوری کہتے ہیں کہ.....

اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ وارثین کتاب سے مراد فقط تیری قوم ہے ان کے سوا کوئی اور نہیں۔ عبدالغفور سجادی کہتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو خبر دی کہ ہم نے وارث بنایا کتاب کا یعنی وارث بنایا معانی قرآن کا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے منتخب کر لیا تاکہ قرآن کے معانی اور اشارات و رموز کو ظاہر کریں اپنے بندوں میں سے۔ وہ مہدوی موعود علیہ السلام کی قوم ہے۔

اس معنی کی تائید کرتا ہے وہ قول جو عوارف میں مذکور ہے۔ ابن مسعود سے مروی ہے کہ نہیں ہے کوئی آیت مگر اس کے لئے ایک قوم ہے جو قریب میں اس آیت کا معنی جانے گی۔ (چرہ آیات ص: ۲۸)

یہاں صاحب نور ایمان نے کوئی نوٹ نہیں لکھا ہے، آیت کے صرف اگلے حصے پر نوٹ لکھا ہے، بہر حال یہ تفسیر بھی جمہور مفسرین کے برخلاف ہے۔

وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ (محمد: ۳۸)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

قَوْمًا غَيْرَكُمْ سے متعلق حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ عجم مراد ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ فارسی اور رومی مراد ہیں۔ شریح کا کہنا ہے کہ اس سے انصارِ مدینہ مراد ہیں، یہی ابن عباسؓ کا قول ہے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ تمام لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے لاکر کھڑا کرے گا، کوئی خاص قبیلہ یا قوم مراد نہیں ہے۔ (قرطبی: ۱۶/۱۸۵)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ بندوں سے اپنی بے نیازی کو اس طرح بیان فرما رہے ہیں کہ اگر تم لوگ ہمارے احکام سے روگردانی کرو گے تو ہم تمہاری جگہ دوسری قوم کو پیدا کر لیں گے اور پھر وہ تم جیسے روگردانی کرنے والے نہ ہوں گے بلکہ نہایت فرمانبردار ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ کونسی قوم ہے کہ اگر ہم خدا نخواستہ احکام دین سے روگردانی کرنے لگیں تو وہ ہمارے بدلے میں لائی جائے گی اور پھر وہ ہماری طرح احکام سے روگردانی نہیں کرے گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی شانے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم، اور اگر دین حق تریا ستارے پر بھی ہوتا تو فارس کے کچھ لوگ وہاں بھی پہنچ کر دین کو حاصل کرتے اور اس پر عمل کرتے۔ (ابن کثیر: ۴/۱۸۵)

● امام طبرسیؒ فرماتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ الخ حضرت سلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہونگے کہ اگر ہم روگردانی کریں تو ہمارے بدلے اُن کو کھڑا کیا جائیگا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا یہ اور اس کی قوم کے لوگ ہوں گے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر یہ دین تریا کی بلندی کو جا لگے تب بھی اہل فارس کے چند لوگ اسے وہاں سے لے آئیں گے۔ (تفسیر طبری: ۲۱/۲۳۴)

اس کے برخلاف سید محمد جوینیوری کہتے ہیں کہ.....

اللہ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ اس قوم سے مراد فقط تیری قوم ہے کوئی اور نہیں۔
سجادی کہتے ہیں میں کہتا ہوں حق وہی ہے جو آپ نے فرمایا پہلی آیت کا سیاق عبارت

اسی کی تائید کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو خبر دی ہے کہ کہہ دے مومنوں سے کہ اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو! الخ..... اگر تم ان تمام امور سے جن کا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے پھر جاؤ گے تو وہ تمہارے بدلہ ایک دوسری قوم کو لائے گا۔ وہ مہدی موعود کی قوم ہے پھر وہ تم جیسی نہ ہو گے۔ (ہر وہ آیات ص: ۳۰)

مصنف نور ایمان نے بھی مکمل عبارت سجاوندی صاحب کی نقل کر دی ہے، یعنی اسی کو معتبر قرار دیا ہے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۖ عَلَيْهِ الْبَيَانُ ﴿۱۳﴾ (الرحمن: ۳، ۴)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر بے شمار نعمتیں ہیں۔ ان نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے انسان بنایا اور اسے گویائی اور دانائی عطا کی۔ یہاں انسان سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں اور تعلیم سے تمام چیزوں کے نام یا تمام لغات کی تعلیم مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ الانسان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور البیان سے مراد حلال و حرام اور ہدایت و گمراہی کی توضیح ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ الْإِنْسَان سے مراد تمام انسانیت ہے، کیوں کہ وہ اسم جنس ہے، اور بیان سے مراد عقل و نطق ہے کیونکہ انسان دیگر مخلوقات پر اسی سے فضل و شرف رکھتا ہے۔ (قرطبی: ۱۷/۱۱۳)

● ابن جریر طبریؒ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ.....

”خلق الانسان“ میں الانسان سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ (تفسیر طبری: ۲۲/۱۶۹)

● قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں:

جب اس سورت کا مضمون ہی دینی و اخروی نعمتوں کا ذکر ہے تو اللہ پاک نے سب سے پہلے الرحمن فرما کر اپنی رحمت کی نعمت کو یاد دلایا اسکے بعد سب سے عظیم الشان دینی نعمت یعنی القرآن کی تعلیم کا ذکر فرمایا، کیونکہ وہ دین کی بنیاد اور شریعت کا ماخذ ہے، پھر خلق الانسان علیہ البیان فرما کر اس بات کی طرف سے اشارہ کیا کہ انسانیت کا دوسری تمام مخلوقات سے امتیاز نطق اور کلام کی وجہ سے ہے، بیان کی حقیقت مافی الضمیر کا اظہار اور مخاطب کی تفہیم ہے۔ (بیضاوی: ۵/۱۷۰)

لیکن یہاں بھی مہدوی قوم اپنے امام کے حوالہ سے انسان کے عموم کو مہدی کے ذات سے مخصوص قرار دے لیا ہے۔

مہدی موعود علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ انسان سے مراد تیری ذات ہے اور عبد الغفور سجاد مہدوی نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے خلق الانسان یعنی مہدی موعود علیہ السلام علمہ البیان یعنی اللہ نے مہدی کو بیان قرآن سکھایا۔ (پژدہ آیات ص: ۳۱)

صاحب نور ایمان کا خیال بھی یہی ہے:

حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے جن کے ذریعہ قرآن کا بیان ہونا خود قرآن سے معلوم ہو رہا ہے فرمایا کہ اس سے مراد بندہ کی ذات ہے۔ (ص: ۷۲۲)

ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَقَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۝ (واقعة: ۱۳، ۱۴)

● ان آیات کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت ”ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ“ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ بات گراں گذری کہ ہم بہ نسبت امم سابقہ کے کم رہیں گے اس پر دوسری آیت نازل ہوئی ”ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَثَلَاثَةٌ مِنَ الْآخِرِينَ“ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم یعنی امت محمدیہ جنت میں ساری مخلوق کے مقابلہ میں چوتھائی، تہائی بلکہ نصف اہل جنت ہوں گے اور باقی نصف میں بھی کچھ تمہارا حصہ ہوگا۔ (ابن کثیر: ۲/۲۸۶)

● امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو رائج قرار دیا ہے کہ اولین و آخرین دونوں طبقے اسی امت کے ہیں اولین اس امت کے قرون اولیٰ یعنی صحابہ و تابعین وغیرہ ہیں جن کو حدیث میں خیر القرون فرمایا ہے اور آخرین قرون اولیٰ کے بعد والے حضرات ہیں۔ (قرطبی: ۱/۱۷۷)

ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَثَلَاثَةٌ مِنَ الْآخِرِينَ

سورۃ الواقعة میں ان دونوں جگہوں پر جنت میں جانے والوں کا موازنہ کیا گیا ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اولین و آخرین سے مراد کیا ہے، آیا اولین سے مراد پچھلی امتیں

یہی بات صاحبِ نور ایمان نے بھی لکھی ہے۔ (دیکھئے ص: ۷۲۸)

وَأَخْرَيْنَ مِنْهُمْ لَبَائِخًا يَلْحَقُونَ^ط (جمعة: ٣)

● امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ جی فرماتے ہیں:

لَبَّائِكُمْ أَجْمَعِينَ یعنی جو لوگ ان کے زمانے میں نہیں ہیں بعد میں اسلام میں داخل اور شامل ہونے والے ہیں۔ پھر بخاری و مسلم کے حوالہ سے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی قوم کی طرف اشارہ والی روایت نقل فرمائی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے جب ملحق ہونے والوں کی بابت دریافت کیا تو آپ پہلے تو خاموش رہے پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس کی قوم کے لوگ مراد ہیں، یہ لوگ اگر دین پرستارہ پر بھی پہنچ جائے تو وہاں سے بھی اتار لائیں گے اسکے بعد بعض اور اقوال نقل کر کے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔

آگے ذالک فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تفسیر نقل فرمائی ہے کہ.....

یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ایمان کی بدولت عجم کو عرب اور قریش سے جوڑ دیا، یا پھر اس سے اسلام مراد ہے کہ جس کو چاہتا ہے بلا تفریق نسل عطا فرماتا ہے۔ (قرطبی: ۱۸/۶۹)

● قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واخرین منہم یہ وہ تمام لوگ ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد سے لیکر قیامت تک کسی بھی زمانہ میں اسلام میں داخل ہوں گے، کیونکہ آپ ﷺ کی تعلیم و دعوت تمام انسانوں کے واسطے ہے۔ لہذا یلحقوا بہم یعنی ابھی تک مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں لیکن بعد میں ایمان لا کر ان میں مل جائیں گے۔ (بیضاوی: ۵/۲۱۱)

● امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے متعدد مفسرین کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آخرین سے مراد قیامت تک کا ہر وہ عجمی ہے جس نے حضرت محمد ﷺ کی تصدیق کی ہو۔ (ابن کثیر: ۴/۳۶۳)

اس کے برخلاف مہدوی قوم کا کہنا کہ اس سے صرف مہدوی قوم ہی مراد ہے: امام مہدی موعود سے مروی ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم فرمایا ہے کہ و آخرین منہم سے مراد فقط تیری قوم ہے اور من الرسول منہم (ان میں سے رسول مقدر) سے مراد تیری ذات ہے۔ (پژدہ آیات ص: ۳۳)

صاحب نور ایمان نے بھی اس جگہ بڑی تفصیلی مگر غیر متعلق گفتگو کر کے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

اب غور طلب بات یہ ہے کہ آخرین میں ایسے کون لوگ مراد ہے جو رسول اللہ کے اصحاب کے ہم پلہ ہوں، بحر خلیفۃ اللہ کے اصحاب کے کوئی جماعت نہیں ہو سکتی، مہدی چونکہ اللہ کے خلیفۃ اللہ کے اصحاب کے خلیفۃ اللہ کے اصحاب ہی برابر ہونگے۔ (ص: ۷۵۳)

(۱۷)

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۖ (قیامتہ: ۱۹)

اے محمد! قرآن کریم آپ کو یاد کرادینا، اور آپ کی زبان پر جاری کرادینا تبلیغ کے وقت یاد رکھوانا، اور لوگوں کے سامنے پڑھوادینا یہ سب ہمارے ذمہ ہے۔ یا قرآن میں مذکور حدود، حلال و حرام اور وعدہ و وعید کی توضیح و تشریح ہمارے ذمہ ہے، اس لئے آپ فرشتہ کے ساتھ اپنی زبان ہلا کر مشقت برداشت نہ کیا کریں۔

(ابن کثیر: ۴/۳۵۰، قرطبی: ۱۹/۷۹، بیضاوی: ۵/۲۶۶، طبری: ۲۳/۵۰۴)

تمام مفسرین کے خلاف مہدویہ کے نزدیک اس کی تفسیر اس طرح ہے:

امام مہدی موعود نے اللہ کے حکم سے فرمایا کہ تحقیق ہمارے ذمہ ہے بیان اس کا یعنی مہدی موعود کی زبان سے اور وہ تیری ذات ہے یعنی ہم نے تجھ پر لازم گردانا ہے بیان اس کا (قرآن کا) اپنی تعلیم سے۔ (ہژدہ آیات ص: ۳۵)

صاحب نور ایمان نے بھی اس جگہ یہی تفسیر کی ہے اور خواہ مخواہ ہی جمع قرآن کی بحث چھیڑ کر یہ نتیجہ نکالنے کی ناکام سعی کی ہے کہ بیان قرآن کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے مہدی موعود ہی کے ذریعہ پوری کی ہے۔ (دیکھئے ص: ۷۸۹)

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ ﴿۴﴾ (بینۃ: ۴)
● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

أُوتُوا الْكِتَابَ یعنی یہود و نصاریٰ، دوسروں کو چھوڑ کر تفریق کے ساتھ صرف اہل کتاب کو خاص کرنے کی وجہ۔ جبکہ وہ بھی منکرین ہی میں شامل ہیں۔ یہ ہے کہ ان کے پاس علم ہونے کا لوگوں کو یقین تھا، جب انہوں نے (نبی کریم ﷺ) اور قرآن کریم کی صداقت کے بارے میں پہلے سے متفق ہونے کے باوجود اعلان نبوت کے بعد افتراق کیا، چنانچہ ان میں سے بعض نے آپ کا انکار کیا اور بعض آپ پر ایمان لے آئے۔ تو کفار و مشرکین بھی ان کے ساتھ مل گئے، گویا افتراق کے اصل اور اول مجرم اہل کتاب ہی ہوئے اور بینۃ سے مراد قرآن کریم ہے جو ان کے پاس موجود کتابوں میں نبی کریم ﷺ کی جو توصیف و تعریف موجود تھی، اس کی تصدیق کرتی ہے۔ (قرطبی: ۲۰/۱۰۲)

● قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں:

اہل کتاب کا یہ افتراق اس طور پر ہے کہ (آپ ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد) ان میں سے بعض تو آپ پر ایمان لائے اور بعض دیگر شک و شبہ میں پڑ گئے یا اپنے کفر پر جمے رہنے کا تہیہ کر کے متفرق ہو گئے، اہل کتاب کی تخصیص اسلئے کی کہ ان کی حالت کی زیادہ مذمت ہو سکے کیونکہ وہ علم رکھنے کے باوجود افتراق میں پڑ گئے تو یہ جاہلوں کے مقابلہ میں زیادہ مذمت کی بات ہے۔ (بیضاوی: ۵/۳۲۸)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

یعنی ہم سے قبل امتیں جنہیں آسمانی کتب عطا کی گئی تھیں مگر وہ اس کے بارے میں آپسی اختلافات کے شکار ہو گئے اور واضح دلائل آنے کے باوجود شدید افتراق و انتشار میں پڑ گئے۔

(ابن کثیر: ۴/۵۴۰)

● امام طبریؒ فرماتے ہیں:

یہود و نصاریٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں اختلاف ان کے پاس کھلی نشانی کے آنے کے بعد کیا، کھلی نشانی سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ کا واضح ہو جانا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں جن کو اللہ نے اپنی مخلوق کی طرف بھیجا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جب اللہ نے آپ کو مبعوث فرمادیا تو وہ لوگ آپ کے بارے میں اختلاف کر بیٹھے، بعض نے آپ کی تکذیب کر دی اور بعض آپ پر ایمان لے آئے حالانکہ وہ سب آپ کے مبعوث ہونے سے پہلے آپ کے نبی ہونے کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں رکھتے تھے۔

اس کے برخلاف سید محمد جو نپوری کا دعویٰ ہے کہ.....
اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا کہ ان لوگوں سے مراد جن کو کتاب دی گئی ہے تیرے زمانے کے علماء ہیں اور بیتہ سے مراد مہدی موعود ہیں اور وہ تیری ذات ہے۔ (ص: ۳۸)
بہی تفسیر سجاوندی صاحب کے حوالہ سے صاحب نور ایمان نے بھی کی ہے۔ (دیکھئے ص: ۸۲۱)
حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کے سلسلہ میں یہ حضرات اہل السنۃ والجماعۃ کے متواتر و متواتر اصولوں کی پابندی نہیں کرتے، اور کرتے بھی کیوں؟ جب کہ ان کے امام نے خود فرمادیا تھا کہ تفسیر قرآن کے لئے ”نور ایمان“ کافی ہے۔ جبکہ علماء امت ہمیشہ سے تفسیر قرآن کے لئے قرآن ہی کی دیگر آیات، احادیث نبی، آثار صحابہ، اقوال تابعین اور لغت عرب وغیرہ کو مدنی قرار دیتے ہیں۔

